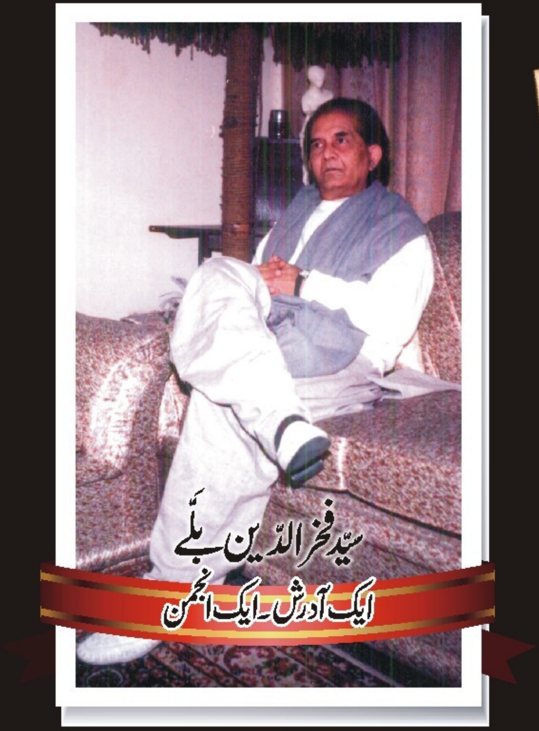

ہم سید فخرالدین بلّے کے قرض دار ہیں

زبان اردو مسلمانوں کی برصغیر میں آمد سے وجود میں آئی اور صدیوں کا شعری اور نثری سفر طے کر کے ارتقائی منازل سے ہم کنار ہوئی۔کلاسیکی اردو شعراء کا اس زبان پر بہت احسان ہے۔اٹھارہویں صدی سے انیسویں صدی تک شاعری کے ذریعے اصلاح زبان کی تحریک چلی، پلی، بڑھی اور بڑی بارآور ثابت ہوئی۔الفاظ کا ذخیرہ بڑھ گیا۔محاورات کا دامن پھیلا اور مالا مال بھی ہوگیا۔طرح طرح کے مضامین اردو شاعری میں سمو لئے گئے۔انیسویں صدی سے بیسویں صدی تک بڑی شخصیات نے اردو شاعری اور نثر نگاری کے ذریعے قوم کی بیداری میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ادیبوں، شاعروں اور تخلیق کاروں نے آزادی کا جذبہ جگانے، آتش شوق کو بھڑکانے اور معاشرتی اصلاحات لانے کیلئے فکر انگیز مضامین باندھے۔استحصال سے نجات پانے کے بعد اسی اردو ادب نے لوگوں کو الجھنیں دور کرنے کے رستے سُجھائے۔اردو میں افسانوی اور واقعاتی اصناف ادب پوری کامیابی سے منظر عام پر آگئیں۔اعلیٰ پائے کا ادب تخلیق کیا گیا اور اردو زبان و ادب کی خوشبو جغرافیائی سرحدوں کو عبور کر کے دنیا کے بہت سے ملکوں کو مہکاتی نظر آئی۔اردو ادب کا ارتقائی سفر بھرپور انداز میں جاری ہے۔عالمی سطح پر دوسری زبانوں کے ماہرین ادب بھی اس کی اثر آفرینی کا کھلے دل سے اعتراف کرتے نہیں تھکتے۔دنیا کی دوسری

زبانوں کے ادب کے ساتھ اردو ادب اپنا سفر تمام تر توانائیوں اور رعنائیوں کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہے۔ بلاشبہ اس نے اتنی کامیابیاں سمیٹ لی ہیں کہ پورے اعتماد کے ساتھ اردو زبان و ادب کا تقابلی جائزہ دوسری زبانوں کے ادب عالیہ کے ساتھ کاھ جارہا ہے۔ادب پاروں میں فن کاروں کیخون جگر سے قطرہ قطرہ ٹپک کرایک سمندر بن گیا ہے۔جس میں لعل و جواہر بھی ہیں، نایاب موتی بھی اور اتنے خزائن کے جہان، جو کسی بحر بیکراں ہی میں ہوسکتے ہیں۔ یہ سب ہمارے ان قد آور ادیبوں اور شاعروں کی کاوشوں کا ثمر ہے، جنہوں نے ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔سوال یہ ہے کہ کیا ایسے تمام عظیم فنکاروں کو ان کا حق ملا ہے؟ اکثر ایسا ہوتا ہیکہ فنکاروں کی زندگی میں ان کو داد نہیں ملتی، جب وہ نذر خاک ہوتے ہیں بلکہ ان کی موت کی دہائیوں کے بعد ان کی قدر کی جانے لگتی ہے۔ بہت کم ایسے تخلیق کار ہوتے ہیں، جنہیں قید حیات میں خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے۔خاص طور پر معاصر ادبا و شعرا کے ہجوم میں بڑے بڑے ادیب اور شاعر گمنام ہی رہ جاتے ہیں۔کلاسیکی ادب کے حوالے سے تحقیق اور انکشافات تو ہر وقت ضروری ہوتے ہیں مگر ساتھ ساتھ زیادہ توجہ معاصر ادب پر مرکوز ہونی چاہیے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ادبا و شعرا کے سوانحی حالات کا تعارف کرایا جائے؛ ان کے ہر ایک بلکہ ایک ایک فن پارے کا جائزہ لیا جائے۔ایسی کاوشیں جاری رہیں تو اس کے مثبت اثرات حاصل ہوں گے۔سب سے اہم کام یہ ہوگا کہ ادیب یا شاعر کی حوصلہ افزائی ہوگی۔دوسری بات یہ کہ ادب کا میدان اور پھیل جائے گا۔ یہ پتا چل جائے گا کہ کیا خامیاں ادب میں رہ گئی ہیں اور انہیں دور کرنے کے لئے کیسے کیسے راستے نکالے جاسکتے ہیں اور اسی طرح علمی کام کے لیے نئے نئے مآخذ تک رسائی ممکن ہوسکتی ہے۔

ہر زبان کے ادب میں فن کاروں یا ان کے فن پاروں پر بکھرے بکھرے مقالات اور مسودے موجود ہیں، جن تک رسائی بہت مشکل ہوتی، اگر انہیں یکجا نہ کیا جاتا۔البتہ ایک ہی شخصیت یا ایک ہی موضوع پر ساری چھپی ہوئی تحریریں اور معلومات اکٹھی کرنا مقبول اور قابل قدر کاوش ہے، اس کے لیے ایک حوصلہ مند مرتبہ کی ضرورت ہے، جو پوری ذمہ داری سے ایک ایک ماخذ کا سراغ لگائے اور سلیقہ مندی سے انہیں ترتیب دے۔سید فخرالدین بلے ایک ایسی شخصیت ہیں، جو ادبی دنیا میں جانی پہچانی ہی نہیں جاتی بلکہ علمی، ادبی، ثقافتی اور صحافتی حلقوں میں معروف اور مقبول بھی ہیں۔انہیں اپنی زندگی ہی میں بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں نے پہچان لیا تھا اور یہ جان لیا تھا کہ ان کے اندر معرفت اور علم کا ایک جہان آباد ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ان کے

عہد جوانی ہی میں یہ کہہ دیا تھا کہ بلے صاحب کی نظم ہو یا نثر اس میں کوئی نقص نکالنا محال ہے۔آل احمد سرور نے انہیں بلند پایہ کلام کا خالق قرار دیا۔سید فخر الدین بلے ایک سو پچاس سے زیادہ مطبوعات تالیف کر چکے ہیں اور یہ سب ایسی کتابیں، بروشرز، سوونیئرز، اور کتابچے طرح طرح کے موضوعات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔وہ لاہور، اسلام آباد، کراچی، سرگودھا، بہاولپور، ملتان، اور علی گڑھ سمیت مختلف شہروں میں کئی رسائل اور جرائد کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور چند رسالے خود بھی نکال چکے ہیں، وسیع پیمانے پر مختلف نوعیت کے جرائد کی ادارت ان کی تخلیقی اور تحقیقی صلاحیتوں کی غمازی کرتی ہے۔

دنیائے ادب میں یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ لوگ جو صحافت میں سرگرم ہوتے ہیں، ان کے مشاہدات و تجربات کا کینوس بھی بڑا وسیع اور وقیع ہوتا ہے۔اس تناظر میں آپ سید فخر الدین بلے کے صحافتی تصنیفی اور تالیفی کام کو دیکھیں تو علمی و ادبی رنگا رنگی ان کی تالیفات کی جان اور پہچان نظر آتی ہے۔ یہ تنوع ایسا ہے، جس نے ان کی شاعری اور نثر پاروں کی دلکشی بڑھا دی ہے۔وہ مذہبی میدان میں بھی لکھتے ہیں۔"ولایت پناہ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وتعالٰی وجہہ الکریم" اور "فنون لطیفہ اور اسلام" ان کی دو ایسی تحقیقی کتابیں ہیں، جن میں ان کا تبحر علمی بولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔یہی نہیں انہوں نے علمی، ادبی، ثقافتی، اور روحانی شعبوں میں جو کام کیے، با کمال کیے اور ارباب عرفان و ادب کو حیران کر دیا۔

تصوف، تاریخ اور سیاست کے موضوعات پر بھی قلم اٹھاتے ہیں۔راقمہ کا یہ تجربہ بھی ہے اور مشاہدہ بھی کہ وہ لوگ، جن کا تعلق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ہوتا ہے، یا رہا ہے، ان کی ایک مضبوط علمی شخصیت بنتی ہے۔یہ ایسا ماحول ہے، جس جس کو اس ماحول اور دھرتی نے پالا، وہ ہمہ گیر شخصیت کا مالک نکل آیا۔سرسید اور ان کے رفقا کی کوشش و شفقت سے جو روح علی گڑھ کے تعلیمی نظام میں پھونکی گئی، وہ ابھی تک وہاں کی فضاؤں میں موجود ہے اور محسوس بھی کی جا سکتی ہے۔ یہ روح وعظمت سید فخر الدین بلے میں رچ بس گئی ہے۔وہ اس روح کو پاکستان ہجرت کر کے ساتھ لے آتے ہیں۔ یہاں ان کا ایک ہی جگہ پر ٹھہراؤ نہیں، وہ مختلف شہروں میں رہائش پذیر ہوتے ہیں، وہ تعلقات عامہ اور صحافت سے وابستہ رہتے ہیں، انہی وجوہات کی بناء پر ان کے مختلف پہلوؤں میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوتی ہے۔ ہر فن کار کی تخلیقات، اس کی شخصیت کا آئینہ ہوتی ہیں۔چنانچہ دیکھتے ہیں، بلے صاحب روشن دماغ اور مستقل مزاج آدمی تھے، وہ کسی تحریک سے وابستہ نہیں ہوتے، محترمہ بانو قدسیہ اور اسرار زیدی کے

بقول:" وہ اپنی ذات میں انجمن ہی نہیں ، قافلہ بھی ہیں" یہی آزاد خیالی، یہی وسیع العلمی ان کی نثری اور نظمی تخلیقات میں نمایاں ہیں۔اسی طرح ان کا مطالعہ مختلف میدانوں میں ہے، جیسے علم نفسیات، علم الفلکیات، علم الاعداد۔علم البشریات، علم المعد نیات وغیرہ وغیرہ اور ان تمام علوم وفنون کی چھاپ ان کے فن پاروں میں دکھائی دیتی ہے۔ان کی نظمیں اور غزلیات جدت پسندی کی مظہر ہیں اور ایک الگ راستے میں ان کا شعری سفر نظر آتا ہے، جسے انہوں نے خود اپنے لیے تراشا ہے۔اس لئے پورے اعتماد کے ساتھ آپ انہیں صاحب طرز شاعر قرار دیسکتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے غزل کو وطن دوستی اور جمالیات سے ہم کنار کردیا ہے۔وہ عالمی واقعات سے بھی متاثر ہوکر اپنے تاثرات کا شاعری میں بیان کرتے ہیں۔ان کے عہد کے بڑے بڑے لوگوں نے بھی ان کی ادبی عظمت کو تسلیم کیا ہے۔

"سید فخرالدین بلے۔ایک آدرش، ایک انجمن" ایک خوبصورت کتاب، نادر تالیف اور ایک ایسی کاوش کا نتیجہ ہے، جس میں سید فخرالدین بلے کے بارے میں بہت سی اہم معلومات کو یکجا کردیا گیا ہے۔

بلے صاحب کی ذاتی شخصیت اور ان کی وسیع علمی خصوصیا تو رپیش نظر رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ کتاب

دنیائے ادب میں یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ لوگ جو صحافت میں سرگرم ہوتے ہیں، ان کے مشاہدات و

تجربات کا کینوس بھی بڑا وسیع اور وقیع ہوتا ہے۔اس تناظر میں آپ سید فخرالدین بلے کے صحافتی

تصنیفی اور تالیفی کام کو دیکھیں تو علمی وادبی رنگارنگی ان کی تالیفات کی جان اور پہچان نظر آتی ہے

کا یہ عنوان بلے صاحب کی ہمہ گیریت کو زیب دیتا ہے۔روزنامہ جنگ میں جمیل الدین عالی نے اپنے سلسلہ وار کالم "نقار خانے میں " بلے صاحب پر ایک یا دو نہیں، قسط وار تین کالم لکھے اور۔"سید فخرالدین بلے۔ایک آدرش، ایک انجمن" کے تحت انہوں نے اپنی یادداشتوں کو مرتب کردیا۔اہل ادب اور مرتبین کو یہ عنوان اتنا پسند آیا کہ انہوں نے اپنی کتاب کو اسی عنوان کیتحت یکجا کردیا۔اس کتاب میں تمام مشہور زمانہ علمی اور ادبی شخصیات کے مضامین شامل ہیں۔اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ علامہ سید غلام شبیر بخاری نے جو نصف صدی کی رفاقت بلے صاحب سے رکھتے تھے، ایسا جامع خاکہ قلمبند کیا ہے، جسے پڑھنے کے بعد قاری کی تشنگی نہیں رہتی۔ان کے آباو

اجداد سے لے کر ان کی پیدائش، ان کے نام کی وجہ تسمیہ، تعلیم، معاشرتی اور علمی سرگرمیوں کا تفصیلی بیان کیا ہے اور سوانحی حالات کے ساتھ ساتھ ان کی دل کش شخصیت کے خدوخال کی بھی تصویر کشی کی ہے۔ یہ سوانحی خاکہ اتنی جزئیات کے ساتھ قلم بند کیا گیا ہے کہ باقی تمام مضامین ان کی شخصیت اور خدمات کی شرح معلوم ہوتے ہیں۔ اس سوانحی خاکے کو پڑھ کر بلے صاحب کی مینار قامت شخصیت قارئین کی آنکھوں کے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ الفاظ و مضامین ہی نے اس کتاب کی وقعت اور قیمت نہیں بڑھائی بلکہ سجاوٹ، لے آؤٹ اور کچھ اور عناصر بھی کتاب کی قدر بڑھاتے نظر آتے ہیں۔ یہ عناصر کتاب کی علمی و معلوماتی سطح پر اہمیت رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے یادگار اور تاریخی تصویریں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور یہ مجموعہ اسی کا مصداق ہے۔

اب ذرا کتاب میں شامل مضامین کے عنوانات دیکھئے۔ پاک و ہند کے معروف افسانہ نگار انتظار حسین نے "یہ سید کام کرتا ہے" کے عنوان کے تحت بلے صاحب کو ایک متحرک شخصیت قرار دیا ہے۔ افتخار عارف نے "سید فخرالدین بلے۔ ایک فرد۔ ایک روایت" کا عنوان اپنے مضمون کے لیے منتخب کر کے مختصر سی عبارت میں سید فخرالدین کا بھرپور تعارف کرا دیا ہے۔ سید آل احمد سرور نے انہیں "بلند پایہ کلام کا خالق" مانا ہے۔ پروفیسر منظر ایوبی کے مضمون کا عنوان قاری کو سوچنے پر اکساتا ہے اور اس عنوان "دیکھئے، اس شخص میں کتنے جہاں آباد ہیں "میں جہان معانی آباد نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر خواجہ زکریا نے "سید فخرالدین بلے۔ بڑے حلم و آبرو والے" کیعنوان کے تحت انہیں محبت اور عقیدت کا نذرانہ پیش کیا ہیا ور مجید امجد کی شاعری کا سہارا لے کر انہیں بڑے احترام کیساتھ یاد کیا ہے۔ "ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے"، یہ عنوان ہے پروفیسر قیصر نجفی کے مضمون کا۔ "سید فخرالدین بلے، تصوف پر ایک اہم اتھارٹی" کا عنوان دے کر ڈاکٹر وزیر آغا نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ یہ عنوان ہی بتا رہا ہے کہ ان کی نظر میں تصوف کے حوالے سے سید فخرالدین بلے کا مرتبہ اور مقام کیا ہے؟۔ ڈاکٹر انور سدید کے مضمون کا عنوان ہی سید فخرالدین بلے کو ''ایک قادرالکلام شاعر'' قرار دے رہا ہے۔ ڈاکٹر فوق کریمی علیگ نے "فخر ادب۔ علی گڑھ کا بلے" کا عنوان دے کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ سید فخرالدین بلے کی یادوں کو اپنے مخصوص انداز میں تازہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یونیورسٹی کے تلامذہ ہی نہیں اساتذہ بھی ان کی علمیت، ذہانت اور فطانت کے معترف اور مداح تھے۔ طفیل ہوشیار پوری نے "کئی دنیاؤں کا ایک بڑا آدمی" کو موضوع بنا کر اپنے تاثرات اور مشاہدات کو پینٹ کیا ہے۔ "فخرالدین بلے علی گڑھ سے ملتان تک" عنوان ہے پروفیسر جاذب قریشی

کے فکرانگیز مقالے کا،ڈاکٹرعاصی کرنالی نے" فخرالدین بلے۔ ایک تہذیبی ادارہ، ایک یونیورسٹی" کوعنوان بناکرحرف ستائش بڑی محبت کے ساتھ پیش کیاہے۔اصغرندیم سید نے"سید فخرالدین بلے۔ایک تہذیب سازہستی"کےعنوان کی بنیاد پران کی شخصیت اور خدمات کی تصویرکشی کی ہے۔"ایک داستان۔ایک دبستان "ہے پروفیسرافتخاراجمل شاہین کے مبسوط مقالے کا خوبصورت عنوان۔ظفرعلی راجہ نے" صوفی بلے اوران کی صوفیانہ شاعری"کے موضوع پر صرف لکھاہی نہیں،اس موضوع سیخوب خوب انصاف بھی کیاہے۔"قول اور رنگ۔بلے بلے" کوموضوع بناکرسید سعید احمد جعفری علیگ نے سید فخرالدین بلے کی قوالی کے حوالے سے تاریخی اورتاریخ ساز خدمات کااحاطہ کرنے کی سعی مشکورکی ہے۔غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی مرحوم نے امیرخسرو کے سات سو سال بعد سید فخرالدین بلے کیقول ترانے کوایک قابل قدرکارنامہ قراردیاہے۔امیرخسرو نے ساڑھے سات سو سال پہلے جنوبی ایشیامیں قوالی کی بنیادرکھی تھی،ان کے بعد سید فخرالدین بلے نے نیارنگ تخلیق کیااور نیاقول ترانہ بھی۔اس کتاب میں ان کانیارنگ اور نیاقول ترانہ بھی شامل کرلیاگیاہے۔سید فخرالدین بلے کی کثیرالوصف اور کثیرالجہت شخصیت درحقیقت ان گنت شخصیات کاخوبصورت گلستاں نظرآتی ہے۔کمال احمدرضوی جیسیا کمال شخصیت نے انہیں"علم وادب کااثاثہ" لکھا،پروفیسرخالد پرویز نے سیدفخرالدین بلےکوبجاطورپرمین آف دااسٹیج کی حیثیت سے محبت اورعقیدت کاخراج پیش کیا۔اس لئے کہ سید فخرالدین بلے نے پچیس روزہ جشن تمثیل کااہتمام کرکے ڈائریکٹرملتان آرٹس کونسل کی حیثیت سے جوثقافتی دھماکہ کیاتھا،اس کی گونج سرحدپاربھی سنی گئی،اوراسٹیج کے جوفن کارسامنے آئے،وہ ٹی وی اسٹاربن گئے۔اسی لئے ان کے ساتھ ایک خوبصورت شام کااہتمام کرکےانہیں محسن فن اورمین آف دااسٹیج کیخطابات سے نوازا گیا۔شبنم رومانی نے"سیدفخرالدین بلےکیادبی نقوش" کواپنا موضوع بھی بنایااورانہیں اختصار کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں اجاگربھی کیاہے۔ڈاکٹرانورسدید نے "لاہورمیں قافلے کاسفر" لکھا،جوسید فخرالدین بلےکی ادبی ہنگامہ آرائیوں کی بڑی دلکش داستان ہے،اسی طرح اسرارزیدی نے" قافلے کیپڑاؤ۔ایک مستحکم روایت"میں بلے صاحب کی ادبی اورثقافتی تنظیم قافلہ کی عالمی بیٹھکوں کی تصویرکشی کی اوربھولی بسری یادوں کونئی زندگی بخشی ہے۔یہ کتاب مرتب کرکے سیدفخرالدین بلےکی تخلیقی جہتوں،ان کے فکری آفاق کی وسعتوں،ان کے کارناموں ،اورقافلےکی سرگرمیوں کااحاطہ کرنے کیلئے قابل تحسین قدم اٹھایا گیاہے۔مشہورزمانہ اوریگانۂ روزگارشخصیات کے

فکر انگیز مقالات اور بصیرت زا تاثرات اکٹھے کرنے سے یہ کتاب سید فخرالدین بلے کے فن سخن، افکار، خیالات اور خدمات کے حوالے سے اہم مرقع اور ایک کلیدی ماخذ کی حیثیت سے سامنے آئی ہے۔ انٹرنیٹ پر بھی لوگ اس سے مستفیض ہوئے ہیں۔ اور اب منتظمین نے "سید فخرالدین بلے۔ ایک آدرش، ایک انجمن" کو سپرد قرطاس و قلم کرنے کا فیصلہ کیا ہے تا کہ اسے لائبریریوں کی زینت بھی بنایا جا سکے۔

بلے صاحب اپنی نگارشات، تخلیقات اور تالیفات ہمارے پاس چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اب وقت کو ہاتھ سے کھونے نہیں دینا چاہیے۔ ان کی تخلیقات کو نشانِ تنقید بنانا چاہیے اور ان کے فن پاروں کو مختلف زاویوں سے جانچنا چاہیے۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ یہاں جن بڑے نقادوں، محققوں اور ادیبوں نے ان کی شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں کو سراہا ہے اور ان کیلئے جو خیالات پیش کئے ہیں، ان کو مدنظر رکھ کر انہی عنوانات پر مضامین لکھے جائیں، مثال کے طور پر وزیر آغا نے فرمایا: "وہ تصوف پر ایک اہم اتھارٹی ہیں" اور "بلے صاحب کے چلے جانے کے بعد دبستان سرگودھا کی کمر ہی ٹوٹ گئی ہے" یہ بات قابل غور ہے اور اس پر تحقیق کی جانی چاہیے اور دلائل کے ساتھ اس بات کا ثبوت دیا جانا چاہیے اور اسی طرح فراق گورکھپوری نے بلے صاحب کو لفظوں کا مصور قرار دیا ہے؛ عاصی کرنالی کی یہ رائے: "بلے صاحب ملتان کو حیات نو عطا کرنا چاہتے تھے"؛ یہ بھی کہا گیا کہ بلے صاحب عصری تقاضوں اور عصری مسائل سے بخوبی واقف تھے، پھر ان کے مسودوں میں عصری حالات کی جھلکیاں اور حالات بہتر بنانے کے لیے مشورے ملتے ہوں گے۔

ہر زبان کی جڑ اور پیدائش کے بارے میں کبھی کوئی قطعی نظریہ ثابت نہیں ہوا۔ اسی طرح حافظ محمد شیرانی، نصیرالدین ہاشمی، سلیمان ندوی، مسعود حسین خان اور محمد حسین آزاد جیسے ماہر لسانیات کیا اردو زبان کی جڑ اور اس کے تاریخی پس منظر پر خیالات، بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، چاہے ان کا کوئی نظریہ ابھی تک ثابت شدہ نظریہ کے طور پر سمجھا نہ گیا ہو۔ چنانچہ بلے صاحب کی اردو زبان کی پیدائش کے بارے میں رائے جو انوکھا انکشاف ہے، انہی نظریات میں شامل ہونا چاہیے اور دوسرے نظریات سمیت مآخذ میں اپنی جگہ بنانا چاہیے۔

بلے صاحب کو فارسی زبان پر اتنا عبور تھا کہ اس زبان میں روانی سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ فارسی صرف ان کی زبان میں نہیں، ان کی شاعری میں بھی روانی سے جاری ہے۔ وہ انوکھی فارسی تراکیب والفاظ جیسے رعنائی وشوخی

گل تر، دامن برگ، زندہ داران شب، کو برتتے ہوئے اردو شاعری کو موسیقی اور بحر سے جوڑ دیتے ہیں۔ ان کی شاعری پر فارسی کے اثرات کا جائزہ بھی اہم نتائج مرتب کرسکتا ہے۔

اس کتاب کے آخری صفحات میں سید فخر الدین بلے کی نعتیں، منقبت علی، سلام بحضور امام عالی مقام کیساتھ ساتھ بلے صاحب کی کچھ شاہکار نظمیں اور غزلیں بھی شامل کی گئی ہیں، جو اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ انہوں نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنے عہد کے استادان فن وسخن سے داد وتحسین ہی نہیں سمیٹی، بلکہ اپنی شاعرانہ عظمت کا لوہا بھی منوایا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ بلے صاحب کی بکھری ہوئی تخلیقات پر کاوشیں جاری رہیں اور ان کو طباعت تک پہنچا دیا جائے۔ بلاشبہ ان کی تحریروں سے تاریخ، ثقافت اور ادب کے تمام گوشے لاعلمی کے اندھیروں سے نکل کر علم پر روشنی ڈالیں گے۔ بلے صاحب کے وسیع المشربی اور ملنساری کے بارے میں اصغر ندیم سید کا یہ کہنا کہ "ان کا دسترخوان ان کی آخری سانس تک بے حد وسیع رہا"، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سید فخر الدین بلے صاحب کی علمی اور ادبی شخصیت ایک دسترخوان ہے، جس میں طرح طرح اور رنگ برنگ کلیاں کھل گئی ہیں اور ان کی مہک سے اردو ادب کو مہکایا جائے گا۔

میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر مری محفل ، مرا مزار نہ پوچھ

آیئے مل کر ان کے وفادار رہیں اور ایک دوسرے سے عہد کریں کہ ان کی تخلیقات کو زندہ رکھنے اور ان پر کاوشیں جاری رکھے جانے سے ان کی محفل کو آباد رکھیں گے اور یہ چلن اپنا کر ہم اردو زبان وادب کے بھی وفادار رہیں گے۔